قاضی غلام محمد

زمان و مکان

غالبؔ اور اِقبالؔ کی ایک قدرِ مشترک

زمان و مکان (SPACE AND TIME) یوں تو فلسفے، ریاضی اور طبیعیات کے خاص موضوعات ہیں، لیکن بڑے شاعروں نے بھی ان موضوعات کو اپنی شاعری میں برتا ہے، غالبؔ اور اقبالؔ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان دونوں نے زمان اور مکان کے موضوع پر نہایت گہرے انداز سے سوچا ہے، غالبؔ شاعرِ محض (PURE POET) تھا، اسلیئے اُسکی شاعری میں زمان و مکان سے متعلق خیالات اُسکے بے پناہ وجدان کی دین ہیں، اقبالؔ نے کیمبرج اور ہائیڈل برگ میں اپنے قیام کے دوران فلسفے اور طبیعیات کے ماہرین سے راست گفتگو کی تھی، لہٰذا اِس ضمن میں اُسکے خیالات کسی حد تک اِکتسابی بھی ہیں، آئن اسٹائین پر اقبالؔ نے جو نظم لکھی ہے اُس کا یہ ٹکڑا "اُو کشودِ اسرارِ نور" یعنی اُس نے روشنی کے اسرار سے پردہ اٹھایا، ثابت کرتا ہے کہ اقبالؔ اپنے وقت کی طبیعیات کی موٹی موٹی باتوں سے بخوبی واقف تھا۔

زمان سے متعلق ہمارا علم غار میں رہنے والے قدیم انسان (THE CAVE MAN) کے علم سے کچھ زیادہ نہیں، ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ "زمان کیا ہے" علمی دنیا کا مشکل ترین سوال ہے۔

Scanned with CamScanner

اِسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وقت اپنی ماہیت کے اعتبار سے غیر محسوس ہے جبکہ مکان کی کم از کم ایک صورت یعنی مکانِ ابعاد ثلاثہ (THE THREE DIMENSIONAL SPACE) ایک پیکرِ محسوس ہے، تمام موجوداتِ عالم ابعادِ ثلاثہ کے حامل ہیں. زمان کو ہم نے ازل، ابد، ماضی، حال، اور مستقبل کے خانوں میں تقسیم کیا ہے، اسکے علاوہ صدی سے لے کر ثانیے تک کی اکائیوں میں اسکی تقسیم بھی کی ہے، اسکی پیمائش کے لئے انسان نے ریت گھڑی سے لے کر برقی گھڑی اور اب ایٹمی گھڑی بھی ایجاد کی، مقصد بس ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ کسی طرح یہ شئے لطیف ہماری گرفت میں آسکے، یہ مقام حیرت ہے کہ غالب نے وقت کی رفتار کی پیمائش کے لئے بار بار برق یعنی بجلی کا اِستعارہ برتا ہے۔

تیری فرصت کے مقابل اے عمر — برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں

برق تمثالِ سراپائے تو می خواست کشید — طرزِ رفتارِ ترا آئینہ دار آمد و رفت

رفتارِ عمر قطع رہِ اضطراب ہے — اِس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

پہلے شعر میں یہ اعتراف ہے کہ وقت کی رفتار کے مقابل برق اُس حسینہ کی مانند ہے۔ جسکے پاؤں میں مہندی لگی ہے اور یوں وہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہے، دوسرے شعر میں بھی یہی تاثر ہے، یعنی برق وقت کی رفتار کی پیمائش کے لئے ایک ناکافی اور نارسا استعارہ ہے، تیسرے شعر میں اول تو یہ اشارہ ہے کہ سورج بظاہر دھیمی رفتار سے مشرق سے مغرب کی جانب سفر کرتا ہے اور یوں ہمارا ایک دن بیت جاتا ہے۔ لیکن وقت کی رفتار کی پیمائش مطلوب ہو تو سورج کو بجلی کی سی سُرعت سے قطعِ رہ کرنا لازم ہے۔

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھئے تھمے — نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اس شعر میں وقت کی بے پناہ روانی کے مقابل انسان کی مکمل بے چارگی اور بے بسی کی وہ صورت گری ملتی ہے جو ماورائے مصوری اور مجسمہ سازی ہے۔

غالب کی شاعری میں ٹریجڈی کے جو چار عناصر ہیں. اُن میں وقت کی حشر سامانیاں (RAVAGES OF TIME) بھی شامل ہیں. یہاں غالب نے زمان کو "گردشِ مدام" کے

حوالے سے یاد کیا ہے۔

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انساں ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

یارب زمانہ مجھکو مٹاتا ہے کس لئے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

غالب کو "محرومی جاوید" کا غم نہیں، وہ گردشِ رنگ طرب" اور "گردشِ رنگ چمن" سے ڈرتا ہے، کیونکہ وقت نہایت غیر محسوس طریقے سے موجودات کی شکست و ریخت اور تغیرات کا سبب ہے، اور ہمیں نہیں معلوم کہ آنے والا لمحہ اپنی جلو میں کونسی غیر یقینیت (UNCERTAINTY) لے کر آنے والا ہے، اس بات کا شدید احساس ٹریجیڈی کی ایک بنیادی اساس ہے، لیکن غالب کی شاعری میں متضاد عناصر کی جو کارفرمائی ہے، اُسکے طفیل وہ ہار تسلیم نہیں کرتا، گئے وقت پر تو کسی کی دسترس نہیں اور وقت پر چھا جانے کی آرزو کسے نہیں، لیکن اس آرزو کو حسین ترین پیرایۂ اظہار غالب نے عطا کیا۔ ع

مہرباں ہو کے بُلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

یہ شعر الفاظ کے روپ میں (WISH FULFILLMENT) کا خوابِ شیریں ہے، اقبال نے مُرقع چغتائی کے مقدمے میں یہ پتے کی بات کہی ہے کہ ART MUST DEFY TIME اور غالب کا درج صدر شعر اسکی بہترین مثال ہے۔ وقت سے متعلق اقبال کے خیالات اسکی نظموں "نوائے وقت" "زمانہ" اور "مسجد قرطبہ" میں کہیں صراحت سے اور کہیں رمز و کنایہ کی صورت میں ملتے ہیں، اقبال مروجہ تقسیم کو رد کر کے اس حسین شعر میں زمان کی پُراسرار جہتوں اور ابعاد کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جنکا نہیں کوئی نام

"مسجد قرطبہ" میں مسجد زمان و مکان کے تواتر (SPACE TIME CONTINUAM) میں مخالف اور مختلف جہتوں کی جانب مُڑتے ہوئے خطوطِ خیال کا نقطۂ انقطاع بن کر اُبھرتی ہے، یہ بیانیہ نظم نہیں ہے، پوری نظم میں چونسٹھ اشعار ہیں، لیکن مسجد سے متعلق صرف آٹھ اشعار ہیں، اور اُن میں بھی مسجد سے متعلق بیان لمسی (TANGENTIAL) یعنی صرف چھوتا ہوا ہے، میں سورۂ اخلاص کو اسلامی جمالیات کا سرچشمہ سمجھتا

ہوں، ہمارے مذہب میں تجسیم پر نہیں تنزیہہ پر زور ہے، اقبال نے بھی کہا ہے کہ اسلام سے پہلے انسان کی نظر "خوگرِ پیکرِ محسوس" تھی، یہ ہمیں تھے جنہوں نے تنزیہہ کو اپنا شعار بنایا اور سرحدِ ادراک سے پرے اپنا مسجود ڈھونڈا، یعنی غالب کے الفاظ میں

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود

اس نظم میں اقبال نے (CLOSING DOWN) اور (OPENING OUT) کی تکنیک برتی ہے، یعنی نظم "سلسلۂ روز و شب" سے شروع ہوتی ہے، پھر مسجد کی جانب ہلکا سا گریز اور "پھر آبِ روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کے خواب" یعنی ایک بار پھر زمان و مکان کی طرف مڑ جاتی ہے، اقبال نے اپنی کئی اور مشہور نظموں میں (فاطمہ بنتِ عبداللہ، نغمۂ ساربان، فصلِ بہار) صرف (OPENING OUT) کی تکنیک برتی ہے۔ جبکہ لالۂ صحرا میں دونوں تکنیکس کا استعمال ہے اور ہم جانتے ہیں کہ لالۂ صحرا اقبال کی بہترین مختصر نظم ہے۔ جو عالمی ادب کے معیار کی حامل ہے، اس نظم میں ننھا گل لالہ زمین سے آسمان تک ایک سُرخ سوالیہ نشان کی صورت نظر آتا ہے۔ "مسجدِ قرطبہ" میں "آبِ روانِ کبیر" دریائے الکبیر بھی ہے اور رفتارِ وقت (MARCH OF TIME) کی علامت بھی ہے، اقبال نے فنِ تعمیر کے حسن اور شاہکاروں کو اپنا خراجِ تحسین پیش کیا ہے اُن میں اہرامِ مصر، ابوالہول اور مسجد قوت الاسلام شامل ہیں، اہرامِ مصر اور ابوالہول اسلام کے وُرودِ مسعود سے سینکڑوں سال پہلے بنائے گئے تھے، اقبال نے اہرامِ مصر کو "ابدیت کی تصویر" اور ابوالہول کو "صاحبِ اسرارِ قدیم" کہہ کر انکو کچھ اور بھی جلالت مآب بنایا ہے کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ابوالہول کی آنکھوں میں طوفانِ نوح کی تباہ کاری کا منظر پتھرا گیا ہے اور عربی کہاوت ہے کہ ہر چیز وقت سے ڈرتی ہے لیکن ابوالہول سے خود وقت بھی ڈرتا ہے مسجد قوت الاسلام کی سنگینی کا یہ عالم ہے کہ اقبال عصری مسلمان (CONTEMPORARY MUSLIM) کی اذان کو اسکے شایانِ شان نہیں سمجھتا، اقبال کے نزدیک فنِ تعمیر کے یہ چار شاہکار وقت کو DEFY کرتے ہیں، اسلئے قابلِ دید بھی ہیں اور قابلِ داد بھی، اور قرانِ حکیم کے ہمہ گیر اور ہمہ جہت (ALL EMBRACING) معیار "عبقریٍ حِسَان" کا سنگین روپ ہیں۔

غالب نے زمان کو نفسیاتی زاویے سے بھی دیکھا، یہ وقت کا وہ پہلو ہے جس سے ہم عالمِ رویا میں دوچار ہوتے ہیں۔ مثلاً

کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں　　شب ہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

یعنی زمان دورانِ محض ہی نہیں بلکہ نفسیاتی بھی ہے، اس لئے وہ دورانِ محض کے مقابل بیش و کم بھی ہو سکتا ہے۔ پس وقت کی رفتار کی پیمائش انسان کے موڈ پر بھی انحصار رکھتی ہے، یہ وقت کا اضافی پہلو (RELATIVE ASPECT) ہے، عالمِ یاس میں وقت دھیمی رفتار سے گزرتا ہے اور عالمِ انبساط میں تیز رفتار سے گزرتا ہے، گرمیٔ بزم کی معیاد بس اتنی ہے جتنی رقصِ شرر کی، اور فرصتِ ہستی یک نفس بیش نہیں عمرِ عزیز اگر صرفِ عبادت بھی ہو جائے تو بھی فوتِ فرصتِ ہستی کا غم نہیں مٹتا، وقت کی نفسیاتی جہت سے متعلق قرآن حکیم میں اصحابِ کہف کا قصہ بیان کیا گیا ہے، اصحاب کہف جب غار میں سونے کے بعد باہر نکلتے ہیں، تو وہ یہ جان کر حیران رہ جاتے ہیں کہ اُنکی نیند کے دوران صدیاں بیت گئیں ہیں، سورۂ کہف ایک بلیغ رمز ہے اور عالمی ادب پر اسکی چھاپ بہت گہری ہے، یہاں تک کہ واشنگ ٹن ارونگ کی مشہور کہانی دی رپ وین ونکل کا موضوع بھی وقت کا یہی پہلو ہے۔ اقبال نے وقت کے (UNPREDICTABLE NATURE) کے بارے میں اپنے اس حسین شعر میں اشارہ کیا ہے۔

مرے خم و پیچ کو نجومی کی آنکھ پہچانتی نہیں ہے　　ہدف سے بیگانہ تیر اُسکا نظر نہیں جسکی عارفانہ

علم ریاضی میں بھی کوئی ایسا فارمولا نہیں ہے، جسکی مدد سے ہم آنے والے لمحے کو اپنی گرفت میں لا سکیں، غالب نے مظاہرِ فطرت کی تغیر پذیری میں وقت کی کارفرمائی دیکھی۔

وہ بھی تھی اِک سیمیا کی سی نمود　　صبح کو راز مہ و اختر کھلا

شادی و غم ہمہ سرگشتہ تراز یکدگرند　　روز روشن بہ وداعِ شبِ تار آمد و رفت

اقبال کی "نوائے وقت" اور "زمانہ" اِس ضمن میں قابلِ غور ہیں، دونوں نظموں میں اور خصوصاً پہلی نظم میں وقت ایک عظیم الجثہ دیو (COLOSSUS) کی صورت اُبھرتا ہے، جسکی زنبیل میں تغیرات جو

ظہور پذیر ہوئے ہیں یا ہو رہے ہیں یا ہونے والے ہیں، موجود ہیں، یہاں مجھے ہسپانوی مصور گویا کی ایک تصویر کی یاد آتی ہے جس کا عنوان کلوس ہے، ننگا کلوس کرۂ ارض پر نہایت اطمینان سے بیٹھا ہے، اسکی پیٹھ ناظر کی طرف ہے، کرۂ ارض پر موجود تمام مظاہر اور خود کرۂ ارض اُسکے مقابل بالکل DWARFISH لگتے ہیں، بہت ممکن ہے کہ گویا نے کلوس کے روپ میں وقت کو پیش کیا ہو،

مشرق اور مغرب کے فرقِ مراتب کو بھی اقبال نے وقت کے حوالے سے سمجھایا ہے،

ضمیر مشرق ہے راہبانہ، ضمیر مغرب ہے تاجرانہ — وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ

جہاں غالب گردشِ مُدام سے گھبرا اُٹھا تھا، وہاں اقبال "ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں" کہہ کر اعترافِ حقیقت کرتا ہے،

اب ہم مکان کی طرف رجوع کرتے ہیں، غالب کے ہاں مکان طبعی اور نفسیاتی دونوں صورتوں میں جلوہ گر ہے، پہلے یہ نکتہ ذہن میں رکھیئے کہ مکان صرف ابعادِ ثلاثہ کا مکان نہیں، علم ریاضی میں اکثر لا متناہی ابعاد کے حامل مکان کی مثالیں ملتی ہیں، طبیعات کے مطابق مکان ابعادِ ثلاثہ FINITE - THOUGH UNBOUNDED ہے۔ یعنی اسمیں مادے کی مقدار معین ہے۔ لیکن وسعت کے اعتبار سے لا محدود ہے۔ غالب ایک طرف کائنات کو لامحدود مانتا ہے، مثلاً

خانۂ مجنونِ صحرا گرد بے دروازہ تھا — یا — صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

تو دوسری طرف انتہائے یاس میں کائنات اس حد تک سمٹ جاتی ہے کہ آسمان کبھی بیضۂ قمری اور کبھی بیضۂ مور کی حد تک سمٹ جاتا ہے۔ خیال کیجیئے کہ اس کائنات کے مکین اور خود غالب ریاضی کے نکتے بن کر رہ جائیں گے، یہ ٹریجڈی کی انتہائی صورت ہے، اسی ذہنی رو میں غالب نے تین شعروں یعنی صرف چھ مصرعوں میں ایک وسیع و عریض خرابہ زار — (A TOTALLY DESOLATE EXPANSE OF LAND) — کی تصویر کھینچی ہے، جہاں بس ایک ہو کا عالم ہے ایک مصرعہ ہے

بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیئے

جرمن ریاضی دان فے لکس کلائن نے ایک ایسے مکان کی مثال دی ہے جسے اصطلاحاً

KLEIN BOTTLE کہا جاتا ہے۔ جسکا اندرون خالی ہے لیکن جو احاطہ بند ہے۔ یعنی (BOUNDED) ہے، غالب کے درج صدر مصرعے میں ایک ایسے مکان کی تصویر پیش کی گئی ہے جسکا اندرون تو ہے لیکن جو لا محدود یعنی بے احاطہ ہے، اب مکان کے ایک اور پہلو کی طرف ہم مڑ جاتے ہیں۔

منظر اِک بلندی پر اور ہم بنا سکتے　　عرش سے پرے ہوتا کاشکے مکاں اپنا

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب　　ہم نے دشتِ اِمکاں کو ایک نقشِ پا پایا

ان شاہ کار اشعار کا حاصل یہ ہے کہ کائنات اپنی تمام تر وسعت کے باوجود انسان کی بے کراں تمناؤں کے مقابل تنگ ہے۔ اقبال نے بھی کہا۔

عشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصہ تمام　　اِس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

اقبال کے اچھے اشعار میں کائنات اکثر پھیلاؤ اور وسعت کی حامل ہے، دشتِ جگر تاب، ریگِ نواحِ کاظمہ، گنبدِ مینائی، عالمِ تنہائی، دشت کی پہنائی اور ایسی ہی تراکیب کی تکرار غور طلب ہے۔ طبیعیات کے ایک نظریے کے مطابق کائنات وسعت پذیر ہے (EXPANDING UNIVERSE) اقبال کا مشہور شعر ہے

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید　　کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکوں

انگریزی زبان کے ایک حساس نقاد اولیور الٹن کو روزیٹی کی نظم THE STONES OF NINEVAH کے میٹر میں ماقبل تاریخ کے معماروں کے ہتھوڑوں کی آواز سنائی دی تھی، اقبال کے اس شعر میں کارپردازانِ فطرت کے ہتھوڑوں کی آواز ایک بہرا بھی سن سکتا ہے،

اِسی موضوع پر غالب کا یہ خوبصورت شعر سُنیئے،

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز　　پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

خالص شعریت کے اعتبار سے غالب کا شعر اقبال کے شعر سے بہتر ہے لیکن اپنے بلند آہنگ کے اعتبار سے اقبال کا شعر بھی کم پایہ نہیں،

اقبال نے محدود کے مقابل ہمیشہ لامحدود کو ترجیح دی ہے، یہاں تک کہ بدن کے رقص پر روح کے

رقص کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ بدن محدود اور مجبور ہے اور روح بے کراں اور آزاد۔

میں پہلے عرض کر چکا ہوں، کہ غالب نے وقت کی پیمایش کے لئے برق کا استعارہ برتا، اسنے مکان کی پیمائش کے لئے بھی حیرت انگیز جمالیاتی پیمانے (AESTHETIC MEASURE) وضع کئے ہیں، مثلاً یک گام بے خودی، یک قدم وحشت، صد گلستان نگاہ، یک بیاباں ماندگی۔

؎ یک قدم وحشت سے درسِ دفترِ امکاں کھلا، یا یک گام بے خودی سے لوٹیں بہار صحرا

یا صد گلستان نگاہ کا سامان کئے ہوئے یا نہ ہوا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا

یہ پیمانے اردو اور فارسی شاعری میں یکہ و تنہا ہیں، اور ان میں ایک جہانِ معنی آباد ہے، غالب کے ہاں مکان کی جس نفسیاتی جہت کی طرف پہلے اشارہ کیا گیا ہے، کبھی کبھی اُسکا نتیجہ ایک ایسی تخیلی دُنیا بھی ہے جو (SUR - REALISTIC) ہے اور ہمارے زمانے کے مشہور (SURREALIST) مصور سیوے ڈور ڈالی کی دنیا سے مشابہ ہے۔

بسکہ ہاموں از تب و تابم سراسر آتشت برہوا چوں دود لرزد سایہ در صحرائے من

یعنی میرے سوزِ نہاں سے صحرا اس درجہ التہاب میں ہے کہ میرا سایہ بھی دھوئیں کی طرح مجھ سے اوپر اوپر ہی لہرا رہا ہے، یا

کے تواں در سایہ آرامید کز جوشِ جنوں نخل چوں طائر بہ پرواز ست در صحرائے من

یعنی سایے میں بیٹھنا تو دُور کی بات ہوئی، میرے صحرا میں درخت بھی پرندوں کی طرح اُڑ رہے ہیں مسئلہ امتناع النظیر کا تعلق بھی براہ راست زمان و مکان سے ہے، یہ مسئلہ علمائے سلف کی اختراع ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ حضرت محمدؐ کی مثال پیدا نہیں کر سکتا، میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بندۂ خدا اپنے لامحالہ متناہی علم کی بنا پر خدا تعالےٰ کی لامتناہی قدرت کا ملہ کا احاطہ نہیں کر سکتا، بہر حال مولانا فضل حق خیر آبادی نے غالب سے فرمائش کی کہ اس مسئلے پر ایک مثنوی لکھی جائے۔ غالب نے ارشاد کی تعمیل تو کی، لیکن مثنوی میں یہ شعر بھی کہا (جو شاید حاصلِ مثنوی ہے)

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود رحمتہ للعالمینے ہم بود

جس پر مولانا نے کہا کہ "یہ کیا بک دیا ہے" اقبال نے جاوید نامے کے اُس حصے میں جہاں وہ کچھ ارواحِ جلیلہ سے ملاقات کرتا ہے، منصور حلاج کی زبان سے غالب کے اِس شعر کی دلچسپ شرح یوں کی ہے۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو   آں کہ از خاکش بروید آرزو

یا ز نورِ مصطفےٰ او را بہاست   یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰ است

یعنی جہاں کہیں بھی اور کوئی کائنات ہو گی، وہ یا تو انوارِ محمدی سے روشن ہو گی، یا ابھی اِسی نور کی تلاش میں ہو گی۔ وَاللّٰہُ اَعلَمُ بِالصّواب۔